سلسلہ نمبر ۲

حالات زندگی

آنریبل پنڈت مدن موہن مالویہ - آف الہ آباد

جسے

دفتر تاج جبلپور نے شائع کیا

بار اول ۲ ہزار جلد

مطبوعہ اشتراکی پریس دہلی ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء

پرنٹر منشی عبدالحمید

دفتر 'تاج' جبل پور

آنریبل پنڈت مدن موہن مالویا — الہ آباد

[illegible] Allahabad.

۷۸۶

پنڈت مدن موہن مالویہ

تمہید
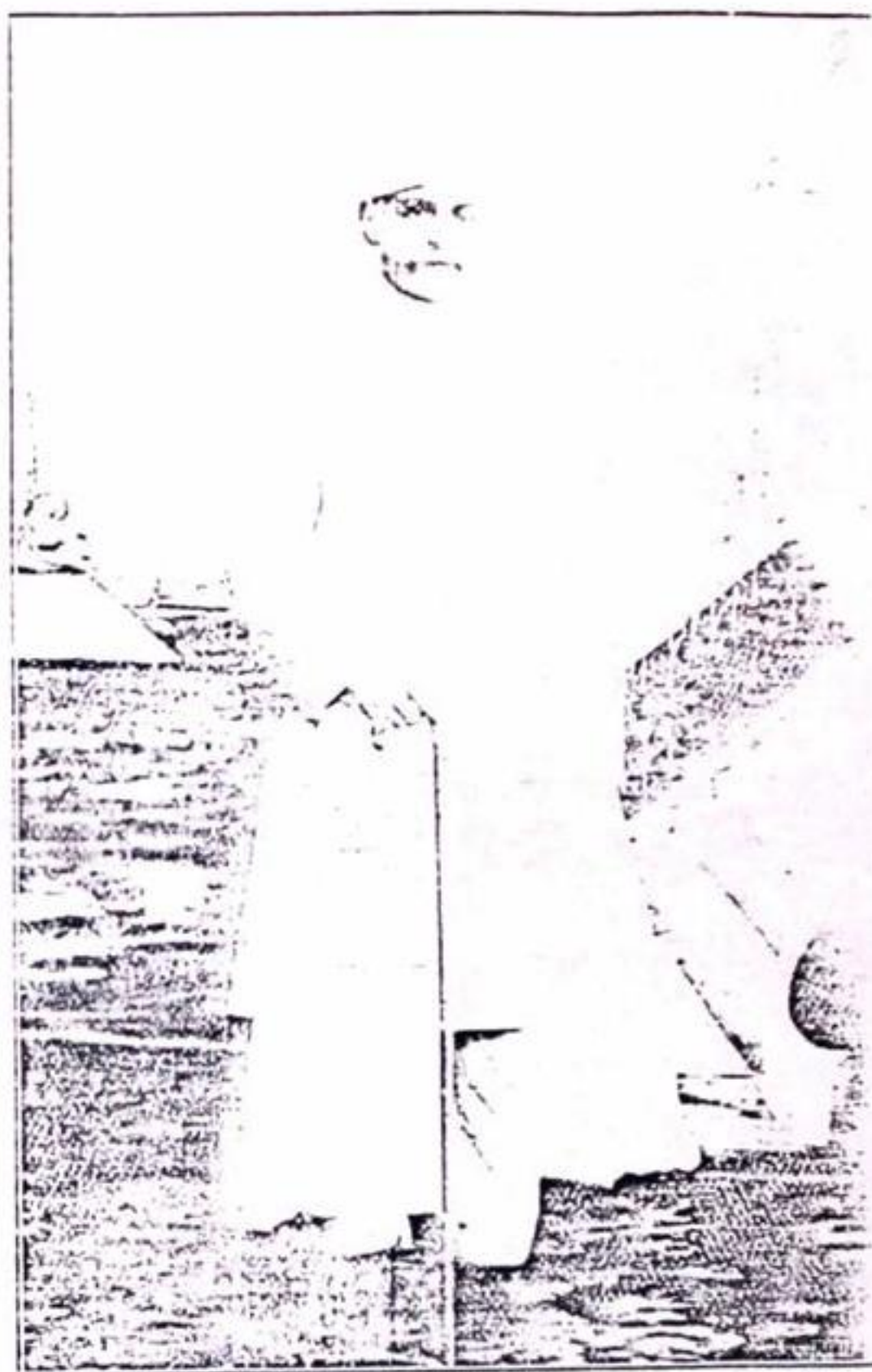
موجودہ زمانہ میں اگر کسی ہندوستانی کے لئے کوئی سب سے بڑا قابل فخر عہدہ ہے تو وہ انڈین نیشنل کانگریس کی صدارت ہے۔ وہ کانگریس جو ہندوستان کی تمام بدنظمیوں کو رفع کرنیکے لئے بنائی گئی ہو۔ وہ کانگریس جسکا نشوونما ہندوستان کے اس تاریک عہد میں ہوا ہو جس میں ہندوستانیوں کی آواز پر نہ کوئی کان دھرنے والا ہو اور نہ انکے حبنبات و داعیات کی قدر کرنے والا۔ ایسی حالت میں کانگریس کی صدارت کے لیے اگر کوئی شخص موزوں ہوسکتا ہے تو وہ ایسا ہی کہ نہ وہ کسی ملامت کرنیوالے کے خوف سے اپنی آواز کو پست بنالے اور نہ کسی مسلح پولیس کے سپاہی سے ڈر کر اپنے جذبات قلب کا اظہار کرنا رد کردے۔ کانگریس کا صدر وہی ہوسکتا ہے جس میں ہندوستانیوں کے خیالات انکے داعیات اور مطالبات کو سمجھنے کی پوری قابلیت ہو اور وہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہو کہ ہندوستان کے لیے کس قسم کا نظم ونسق مفید ہوسکتا ہے کانگریس کی ابتدائے پیدایش سے ابتک جسقدر صدر منتخب ہوئے ہیں وہ ہندوستان کے بہترین دماغ تھے وہ جو کچھ کہتے تھے اسپر عمل بھی کرتے تھے اور یہی

ان کا نصب العین تھا انھوں نے اپنی تمام زندگی قوم اور ملک کی خدمات کے لیے وقف کر دی تھی۔ اور وہ ایسے ہی لوگ ہوتے تھے جنکے کارنامے ہندوستان کی تاریخ میں یادگار رہیں گے۔

سریندر ناتھ بنرجی، دادا بھائی نوروجی، پنڈت اجودھیا ناتھ، مسٹر بال گنگادھر تلک اور سر امنی آئر کے آغوش میں جب کانگریس نے تربیت پائی ہو اس کی صدارت کے لیے جیسے ماہر سیاست اور ہمدرد ملک و قوم کی ضرورت ہے اس کی قابلیت سے اس آسمان کے نیچے کسکو انکار ہو سکتا ہے پس اگر آپ اس بزرگ قوم سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں جسے نہ صرف اس سال بلکہ اس سے پہلے بھی کانگریس کی صدارت کا شرف حاصل ہوا ہو تو معلوم کیجئے کہ وہ بزرگ پنڈت مدن موہن مالویا ہے۔ پنڈت مدن موہن کو اس سے قبل بھی اس موقع پر ہندوستان کی نظر انتخاب نے چنا تھا جبکہ ہندوستان کے لیے مصنوعاتے اسکیم طیار کی گئی تھی اور جسوقت ہندوستان کا نیم سرکاری اخبار پائونیر کہہ رہا تھا کہ اب تو تمہارے لیے ایک ایسی اسکیم طیار ہو گئی ہے جو تمہاری خواہشات کو پوری طرح رفع کر سکتی ہے لہذا اب کانگریس کی زندگی کا خاتمہ کردو! لیکن اس نازک موقع پر بھی اس اسکیم کی صداقت اور اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے پنڈت مالویا ہی منتخب ہوئے تھے اور اب جبکہ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کئی سمندر پار ہونے والا ہے جبکہ ادنیٰ ادنیٰ جماعتوں کو بھی یہ موقع دیا جارہا ہے کہ وہ جس انسٹیٹیوشن کو چاہیں اختیار کریں اور ہر قوم کو اپنی طبیعت اور اپنے مناسبات کے مطابق کام کرنیکی اجازت دی جارہی ہے۔ اور ہندوستان کے لیے بھی ایک عجیب و غریب اصلاحی اسکیم طیار کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ مواقع ہندوستان کے لیے نہایت نازک ہے اور اگر اس نے اس زرین موقع سے

فائدہ نہ اوٹھایا اور اپنے مطالبات کو جمہوریت پھیلانے والی انگلستان اور امریکہ کی جماعتوں کے سامنے نہ پیش کیا تو پھر اس کے لئے ایسا موقع ہرگز نہ پیش آئیگا اور وہ محکومیت کے تاریک و ذلیل گڑھے میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیگا پس اس موقع پر ضرورت تھی ایک ایسے عقیل و فہیم شخص کی جسنے سیاست ہند کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہو جو موجودہ حالات اور ہندوستان کی ضروریات سے کامل واقفیت رکھتا ہو اور قسمتوں کا فیصلہ کرنے والی جماعت کو ہندوستان کے جذبات سے اچھی طرح مطلع کر سکتا ہو۔ اور اس کے لیے ہندوستان نے اپنے لایق ترین فرزندوں میں سے پنڈت مدن موہن مالویا کو انتخاب کیا ہے! +

ابتدائی حالات

پنڈت مدن موہن مالویا ۱۸ دسمبر ۱۸۶۲ء کو پیدا ہوئے انکے دادا اور والد سنسکرت کے بڑے عالم تھے اور انکی قابلیت کی الہ آباد میں بڑی شہرت تھی۔ انکے والد پنڈت برج ناتھ مالویا علاوہ سنسکرت کے ہندی زبان میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے بھگوت گیت کے اکثر حصوں کا جس قابلیت سے ہندی زبان میں ترجمہ کیا تھا اسکا یہ اثر تھا کہ انکی آبائی شہرت میں اضافہ ہو گیا اور ہر شخص انکی عزت کرنے لگا۔ پنڈت مدن موہن کی ابتدائی تعلیم خانگی طور پر ہندی اور سنسکرت میں ہوئی اور اس کے بعد وہ شہر کے پاٹھ شالہ میں داخل کر دیے گئے۔ یہاں سے مکمل ہو کر انھیں مقامی اسکول میں داخل کیا گیا اور انٹرنس کی سند حاصل کر کے وہ میور سنٹرل کالج میں تعلیم حاصل کرنے لگے ۱۸۸۴ء میں انہوں نے بی۔ اے کامیاب کیا۔ کالج میں انکی طبعی ذہانت اور فطری قابلیت کے جواہر پوشیدہ نہ تھے ہر شخص انکی تعریف کرتا تھا اور پروفیسر انکے دلدادہ تھے۔

ہندوستان کی رسم کے مطابق مسٹر مالویا کو ۱۸۸۱ء میں جبکہ انکی عمر ۱۹ سال کی تھی
ازدواج کا نشانہ بنایا گیا ابھی انکی تعلیم کا زمانہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ دنیا کی افکار میں مبتلا
کر دیا گیا۔ لیکن جس طرح ہو سکا انہوں نے تعلیم کو جاری رکھکر بی۔ اے کی سند حاصل
کی اور مجبوراً ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ انکے پرانے اسکول میں جس سے کہ وہ
انٹرنس کامیاب ہوئے تھے ایک انگلش ٹیچر کی ضرورت تھی۔ جہاں انکا تقرر ہو گیا
اور ۲۔ سال تک وہاں ملازم رہے۔ انکی قابلیت اور ذہانت کا یہ اثر تھا کہ طالب علم
اور اساتذہ انکے دلدادہ تھے اور سب انکو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن
ابھی تک انکے حقیقی جوہر پردہ خفا میں مستور تھے، لوگ یہ ضرور جانتے تھے کہ
پنڈت مدن موہن ایک ذہین اور قابل نوجوان ہے لیکن کسی کو یہ نہیں معلوم تھا
کہ یہ نوجوان۔ ہندو قوم کی رہنمائی کرنے کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور اس میں وہ ذہانت
موجود ہے جس کی اسوقت ہندوؤں کو ضرورت ہے۔ اس پوشیدہ اور مستور
جوہر کو سب سے پہلے راجہ رامپال سنگھ نے پہچانا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انڈین نیشنل
کانگریس کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا تھا۔ راجہ رامپال سنگھ جو اودھ کے ایک
روشن خیال تعلقہ دار تھے۔ کلکتہ میں اس نوجوان سے ملے۔ انہوں نے اس میں
فراست اور دانائی کے درآبدار کی چمک کو محسوس کیا اور اپنے روزانہ اخبار "ہندوستانی"
کی اڈیٹری کے لیے تجویز کیا۔

روزانہ اخبار "ہندوستانی" ہندی زبان کا ایک روزانہ اخبار تھا۔ راجہ صاحب
نے اسے جاری کیا تھا اور خود ہی اسکو اڈیٹ کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے اس
۲۴ سالہ نوجوان کو بہ نسبت اپنے اس کام کے لیے زیادہ موزوں پایا۔ انہوں نے
پنڈت مدن موہن میں آزادی، حب الوطنی اور غیر مفتوح جوش پایا اور اس کے
بعد تحریر کی خوبی پر فریفتہ ہو گئے۔ انہوں نے مالوی جی کو مجبور کیا کہ وہ "ہندوستانی"

کی اڈیٹری قبول کرلیں۔ حقیقتاً راجہ صاحب نے ہندوستان پر یہ ایک ایسا احسان کیا تھا جو اسے کبھی نہ بھولنا چاہیے۔ پنڈت مدن موہن باوجود ایک نوعمر شخص ہونے کے اس اہم کام کے لیے مستعد ہوگئے اور نہایت سنجیدگی اعتدال پسندی اور سلیقہ مندی سے اپنے فرائض کو انجام دیتے رہے۔ راجہ صاحب قابل تہنیت ہیں کہ انہوں نے ایک نوجوان کو جسکا ہندوستان باوجود ناواقفیت کے ارزومند تھا ملک کی خدمت کے لیے تیار کیا۔ ورنہ وہ اپنی زندگی کی ساعتیں جواب نہایت کارآمد ہیں ایک صوبہ کے محکمہ تعلیم میں ختم کر دیتا جو یقیناً ملک کے لیے اسقدر مفید نہیں ہوتیں۔ پنڈت جی نے ۲ سال تک اتنی کامیابی سے اڈیٹری کی کہ لوکل گورنمنٹ اس سے اسقدر متاثر ہوئی کہ سالانہ رپورٹ میں انکی بہت تعریف کی گئی۔ لیکن کچھہ عرصہ کے بعد پنڈت مدن موہن نے غور کرکے یہ محسوس کیا کہ ایک اڈیٹر کی بہ نسبت ایک وکیل قومی و ملکی خدمات اچھی طرح ادا کر سکتا ہے۔ گو کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اڈیٹر کسی طرح وکیل سے کم خدمت ادا کر سکتا ہے لیکن مالوی جی کا رجحان بہ نسبت اڈیٹری کے وکالت کی طرف زیادہ تھا۔ اور ان کے رجحان کی ایک بڑی وجہ انکے چند محبوب دوستوں کے مجبور کرنے سے متعلق تھی۔ راجہ رامپال سنگھ نے انکے ارادہ میں کوئی مخالفت نہ کی اور انکو موقع دیا کہ وہ جس کام کو اپنے لیے موزوں سمجھیں اسے اختیار کریں۔ انہوں نے نہ صرف اتنا ایثار کیا کہ ایک قابل اڈیٹر کو اپنے سے جدا کیا بلکہ وکالت کی تعلیم کے لیے انکو جسقدر روپیہ کی ضرورت تھی وہ بھی مہیا کر دیا۔

۱۸۹۱ء میں پنڈت جی الہ آباد ہائی کورٹ کے پلیڈرشپ کے امتحان میں کامیاب ہوئے اور ۱۸۹۲ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرکے ہائی کورٹ میں داخل ہوگئے۔ اور اپنی دماغی قابلیت سے اس میں معقول کامیابی حاصل کی۔

اس زمانہ میں پنڈت اجودھیا ناتھ جیسے محب وطن اور ذی اقتدار بزرگ سے مالوی جی کی ملاقات ہوئی اور بشمبر ناتھ اور اے۔ این۔ کاباڈے جیسے ملک و وطن کے جان نثار انہیں خوش قسمتی سے ملگئے تھے۔ اس اتحاد اربعہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ انہوں نے ۱۸۸۰ء میں ان لوگوں کی اعانت سے ہندو سماج قائم کیا۔ اسکا مقصد ہندوؤں کی سوشل اور پولیٹیکل حالات کو درست کرنا اور انکی ہر طرح اعانت کرنا تھا انہوں نے یہ محسوس کرکے اس انجمن کی بنا کی کہ ہندوؤں کی مختلف ذاتیں باہم اسقدر اجتناب اور نفرت سے زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس سے تمدن اور معاشرت کو نقصان پہنچتا ہے اور ایک حد تک سیاسی اغراض بھی اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہتیں ایسی حالت میں ضرورت تھی کہ اگر تمام فرقوں کی بیخ و بنیاد کو قطع کرکے اصل ہندو مذہب کی تعلیم دیکر ہندوؤں کو انکے مذہب کے حقیقی سنٹر پر نہیں لایا جا سکتا تو کم سے کم انہیں آپمیں متحد ضرور کر دیا جائے چنانچہ اس کام کو انجمن نے اپنی پوری قوت سے اس کام کو انجام دیا۔ دوسری یہ بات کی کہ غیر زبان میں تعلیم دینے سے تکمیل نہیں ہوتی اور دماغ کو زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے لہذا ہندوؤں کو دیسی زبان میں تعلیم دیجائے۔ مالوی جی نے بالکل ہندوؤں کی ترقی کے لیے اپنے کو وقف کر دیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ آج انکی سب عزت کرتے ہیں اور وہ نہ صرف ہندوؤں کی نظروں میں معزز ہیں بلکہ ہمارے لیے بھی ایک قابل تقلید و پیروی بزرگ ہیں۔

ہندو سماج کی سب سے پہلی کانفرنس ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس سے چند ماہ قبل منعقد ہوئی تھی۔ ہندو سماج کے کاموں کے ساتھ ہی ساتھ وہ میونسپل معاملات میں بھی دلچسپی لیتے رہے۔ اور یہ دلچسپی اسوقت تک قائم رہی جبتک کہ وہ وائس چیرمین رہے۔ حقیقتاً ضرورت اس بات کی تھی کہ پنڈت

مدن موہن جیسے لایق آدمی قانونی کونسل میں ضرور شریک ہوں لہذا وہ اپنی زبردست
خدمات کے ذریعہ اس میں داخل ہوگئے۔

سنہ ۱۹۰۲ میں وہ لوکل قانونی کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور انہوں نے اس
خدمت کو اس آزادی کے ساتھ انجام دیا جیسی کہ یک غیر سرکاری ممبر کے لئے ضروری
ہے انہوں نے کونسل کی ممبری کسی خطاب کی آرزو میں نہیں کی اور نہ وہ ضمیر فروشی
کرکے صاحب ..... کی نظروں میں ذلیل ترین وقعت حاصل کرنیکے آرزومند تھے
وہ صرف ملک کو وہ فائدہ پہنچانا چاہتے تھے جو ایک ضمیر کے مطابق کام کرنیوالا
کونسل کا ممبر پہنچا سکتا ہے۔ وہ اپنے ضمیر اور کانشنس کی مطابقت اور ہدایت پر
اسقدر دلیر تھے کہ نہ انہیں بڑے صاحب سے اختلاف کرنے میں کوئی باک تھا
اور نہ چھوٹے صاحب سے کوئی ڈر۔

سنہ ۱۹۰۳ میں جبکہ کونسل میں بندیل کھنڈ کی اراضی کی تقسیم کے متعلق مسودہ پیش
ہوا اسوقت پنڈت مالوی جی نے جس دلیری سے اس کی مخالفت کی کہ انکی رائے
سے سر اکلینڈ کالوین سر جارلیس کراسویٹ آنرایبل مسٹر امپی آنریبل مسٹر ریڈیل جیسی
ذی اقتدار اور قومی شخصیتوں کو اتفاق کرنا پڑا۔ انکی رائے تھی کہ بندیل کھنڈ کے
باشندوں کا افلاس اور انکی تنگدستی بیحد افسوسناک ہے لیکن اس کی وجہ وہ
نہیں جو وہاں کے حکام بیان کرتے ہیں۔

ہندوستانی کونسل کی اصلاحی اسکیم کے ماتحت انکا دوبارہ منتخب کیا جانا
اسبات کی کافی دلیل ہے کہ انکی گذشتہ خدمات سے پبلک خوش ہے اور انکے
کاموں کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اور حقیقت میں وہ اس کے مستحق بھی تھے جس شخص
نے پرانی کونسلوں کی اصلاح پر پرزور کوششیں کیں ہوں اور اس کے قابل اعتراض
نظم کو ایک حدتک روبہ اصلاح کیا ہو کیا وہ اس بات کا مستحق تھا کہ اسے کونسل کا

ممبر انتخاب نہ کیا جائے۔

۱۸۶۱ء کے قانون کے ماتحت جو کونسلیں قائم ہوئی تھیں انکے سب کے سب ممبر سرکاری تھے اور وہ ہرگز اس قابل نہ تھے کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کی بہبودی کے لیے صاحب . . . کی ذرہ بھر مخالفت کریں اور اپنی اس عزت میں ذرا بھی فرق پیدا ہونے دیں جو انہیں ڈالی اور خوشامد سے حاصل ہوئی ہے۔ خان صاحب اور رائے صاحب کبھی ملک کے دردمند نہیں ہو سکتے۔ ہم انپر یہ الزام نہیں لگاتے کہ وہ ضمیر فروشی کرتے ہیں۔ بلکہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ انکا ضمیر بھی وہ ہے جس میں خطاب کی حفاظت ہو سکے اعزازی کرسی کا استحقاق بھی قائم رہے اور صاحب اپنا راست وچپ بھی بنائے رکھیں۔ حقیقت میں غیر سرکاری ممبروں ہی سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ کونسل میں وہ کہیں جو ہندوستان کہتا ہے اور وہ آواز بلند کریں جو ۲۳ کروڑ ہندوستانیوں کی ہے ہندوستان کو ممنون ہونا چاہیے ان لوگوں کا جنھوں نے اپنی پوری کوشش اس کام میں صرف کردی کہ کونسل میں غیر سرکاری ممبر ضرور شریک ہوں تاکہ پبلک فیلنگ کی ترجمانی ہو سکے۔ اور انہیں لوگوں میں پنڈت مدن موہن مالویہ بھی قابل صد تشکور ہیں۔

۱۸۸۶ء میں کانگریس کے دوسرے اجلاس میں مالوی جی نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ۔

"انگریزی حکومت کے سامنے ان اصلاحات کی ضرورت، انکا ملک کے لیے"
"فائدہ مند ہونا، اور وقت کے لحاظ سے انکی اہمیت ظاہر کرنا میرے نزدیک"
"غیر ضروری اور بے فائدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ انگریز نہ مطلق العنان بادشاہ ہیں"
"اور نہ خود غرض حاکم کہ محض اپنے مفاد کے لیے رعایا کے حقوق کو پامال کریں"
"اور اس کی حالت سے بے پرواہ ہیں۔ وہ قوم جس کے اباؤ اجداد نے اپنا"

”خون بہا کر اور اپنی ہستیوں کی قربانیاں کر کے اپنے قدرتی حقوق حاصل کیے“
”ہیں کیا اس بات کی محتاج ہے کہ انہیں اصلاح کی ضرورت اور رعایا کے قدرتی“
”حقوق دینے کے فرض سے آگاہ کیا جائے:“

”کیا وہ انگریز انگریز کہلانے کا مستحق ہے جو جمہوری اصول کے مخالف ہو سکے“
”اُن انگریزوں کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے جو مطلق العنانی حاصل کرنے اور“
”جمہوریت کو پامال کرنیکے لیے اپنی قوت صرف کرتے ہیں حالانکہ اس راہ میں“
”قوت صرف کرنا ایک طرح سے قوت کا ناجائز استعمال ہے۔ اصول جمہوریت“
”ایک انگریز کی زندگی کے لیے ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ اسکی زبان اور“
”اسکا لٹریچر۔ کیا کوئی مجھے یہ کہہ سکتا ہے کہ انگریزی قوم ہمکو ہمارے ملکی و“
”قدرتی حقوق دینے سے انکار کرے گی جنھیں حاصل کرنیکے طریقے اسی نے“
”ہمکو سکھلائے ہیں اور اسی کی تاریخ پڑھکر ہمکو ان وسائل پر آگاہی ہوئی ہے۔“

”ایک انگریز کی سیاسی انجیل کی یہ سب سے پہلی آیت ہے کہ کوئی ٹیکس“
”اسوقت تک حکومت کو حاصل کرنیکا حق نہیں جب تک کہ وہ اس کی ضروریات“
”کو پورا نہ کرے اسلیے کہ ٹیکس خدمت کا ایک معاوضہ ہے۔ اس آیت پر ایمان“
”رکھتے ہوئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی سیاسی انجیل کے خلاف ہم سے ٹیکس“
”تو پورا پورا حاصل کریں اور پھر ہمیں بھیڑوں کے گلہ کی طرح رکھیں“۔ اصلاحات کا
مطالبہ مسٹر مالویہ نے اپنی اس پرزور تقریر میں کیا جو ۱۸۸۷ء کے اجلاس کانگریس
میں ہوئی تھی؟ ۔

”مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ ہمکو اپنے نمایندے قانونی کونسل“
”میں موجود رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اسلیے کہ ہمارے حکام خواہ کسی قدر نیک“
”نیت ہوں اور ہماری حکومت خواہ کسی قدر رحم دل ہو لیکن وہ بہرحال“

"غیر ملکی ہے۔"

"حضرات! روس کے سوا تمام یورپ کے ملکوں نے یہ اعلان کر دیا ہے"
"کہ سب سے بہتر طریقہ حکومت وہ ہے۔ جو خاص خاص اشخاص کے ہاتھ میں نہ ہو"
"بلکہ وہ پبلک نمایندوں کے مشورہ پر ہو۔ اسلیے کہ وہ حکومت جس میں رعایا کے"
"نمایندوں کی آواز کا اثر نہ ہو مہذب نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ طرز حکومت یورپ"
"کے لیے ضروری ہے جہاں حاکم و محکوم راعی و رعایا ایک قوم اور ایک"
"مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو اس کی ہندوستان میں بہت زیادہ ضرورت"
"ہے جہاں نہ حاکم و محکوم ہم مذہب ہیں نہ ہم قوم۔ ہم تو اپنا وہ حق مانگتے"
"ہیں جس کی تائید نہ صرف یورپ بلکہ امریکہ، آسٹریلیا اور کل مہذب قومیں"
"کرتی ہیں۔ اور جسے وہ لازمہ تمدن قرار دیتی ہیں۔ حضرات! جب یہ حالت"
"ہے تو میرا خیال ہے کہ ہمیں اس کے لیے متفقہ آواز بلند کرنی چاہیئے۔"
"وہ اصلاحات جو ہم مانگتے ہیں ہمکو بلا تاخیر و تامل ملجانی چاہئیں۔"

۱۸۸۹ء کے اجلاس کانگریس میں اصلاحی اسکیم پر بحث کرتے ہوئے مسئلہ انتخاب کے متعلق انہوں نے مندرجہ ذیل تقریر کی:۔

"قانونی کونسل کیسی زبردست عدالت ہے کہ جسکے سامنے اہم سے اہم معاملات"
"پیش کیے جاتے ہیں جنکا نہ صرف ہم پر اثر پڑتا ہے بلکہ ہماری آیندہ نسلیں بھی"
"اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اور انصاف کا یہی مقتضا ہے کہ"
"کونسل جب اپنا آخری فیصلہ صادر کرے اسوقت اسکا فرض ہے کہ وہ ہمیں"
"اُس بات کا موقع دے کہ ہم اپنے منتخب کیے ہوئے نمایندوں کے ذریعہ اپنے"
"خیالات کا اظہار کر سکیں۔"

"حضرات! ہز مجسٹی کی رعایا کے ایک مجرم سے مجرم فرد کو بھی یہ حق حاصل ہے"

"کہ وہ اپنا ایک وکیل بناکر اس آخری فیصلہ سے بچاؤ کر سکے جو اس کی قسمت"
"کا فیصلہ ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ انکی عام رعایا کی قسمتوں کا فیصلہ بغیر اس کے"
"استمزاج کے کیا جائے اور اسے اتنا اختیار نہ ہو کہ وہ اپنی رائے ظاہر کر سکے۔"
"مجھے امید ہے کہ بہت عرصہ تک ہم اپنے اس حق سے محروم نہ رہینگے جو ہمارا"
"قدرتی حق ہے۔ جب کوئی مقدمہ جیوری کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو"
"جج ملزم سے دریافت کرتا ہے کہ تمہیں جیوری سے کسی قسم کی شکایت تو نہیں"
"اور اگر اسے کسی قسم کی شکایت ہوتی ہے تو جیوری علیحدہ کر دیا جاتا ہے لیکن یہاں"
"تو یہ بھی نہیں دریافت کیا جاتا کہ ہمارے سرکاری ممبروں کے انتخاب سے تمہیں"
"اتفاق بھی ہے یا نہیں۔"

۱۸۹۱ء کے اجلاس کانگریس میں انگریزی حکومت کے متعلق مسٹر مالویا نے کہا۔

"ہم انگریزی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس ملک پر انصاف سے"
"حکومت کرے اور ان شریف اور بلند اصولوں پر عمل کریں جن پر انھیں فخر ہے"
"اور جنکی وجہ سے انکا پوزیشن دنیا میں ایک بہت بلند درجہ پر پہنچ گیا ہے۔"
"صرف یہی ایک طریقہ ہے جس کی بدولت برٹش گورنمنٹ ہندوستان میں"
"با عزت ہو سکتی ہے۔"

ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوتے وقت ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے تمام ہندوستانیوں کو مژدہ سنایا گیا تھا کہ انکے مذہب میں کوئی تعرض نہ کیا جائے گا نیز انصاف سے حکومت کی جائیگی اور ہر شخص آزادی و عافیت سے زندگی بسر کریگا ایک حیثیت سے یہ اعلان ہندوستانیوں کو ہر معاملہ میں انصاف طلبی کی پوری اجازت دیتا ہے۔ اور یہ ہندوستانی قومیت کا سنگ بنیاد ہے۔ اور وہ اس معاملہ میں انکی مدد کرتا ہے کہ وہ اپنے مطالبات نہایت آزادی سے پیش کریں اور ان تمام احکام کی تردید کر سکیں جو انکی قومیت

کو نقصان پہنچاتے ہیں چنانچہ اس اعلان شاہی کے متعلق مسٹر مالویا نے ۱۸۸۹ء کے اجلاس کانگریس میں کہا

"یہ اعلان ہمارے کل مطالبات کا بنیادی پتھر ہے۔ میں اس سرکاری افسر"
"کی غلط بیانی کی پوری قوت سے تردید کرنے کیلیے طیار ہوں جس نے کہا"
"تھا کہ یہ اعلان سچے دل سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ محض تسخیر قلوب کی پالیسی"
"پر مبنی تھا"

سنہ [illegible]ء کی کانگریس میٹنگ میں انھوں نے کہا تھا کہ

"اس ملک پر ملکہ وکٹوریہ انجہانی نے جن اصولوں کو بیان کیا تھا انھیں"
"ہر قوم عزت سے دیکھیگی۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی قوم اپنی محکوم قوم کے سامنے"
"اس سے بہتر اصول حکومت نہیں پیش کر سکتی۔ ہم حکومت سے کسی بات"
"کے خواہش مند نہیں اور ہمارے مطالبات اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ خدارا"
"جو اعلان ملکہ وکٹوریہ نے ۱۸۵۸ء میں کیا تھا اس کے اصولوں کے مطابق"
"ہم پر حکومت کرو اور انکے پابند رہو"

پنڈت مالوی کا یہ مطالبہ حقیقتاً ہمارے تمام مطالبات کا مجموعہ ہے۔ اگر ہمارے حکمران حضرات اس اعلان کو پوری توجہ سے ایک دفعہ پھر اٹھا کر دیکھ لیں اور اسپر عمل کرنے لگیں تو واللہ پھر ہم ان سے کچھ نہ مانگیں گے اور نہ اپنے مطالبات کو زیادہ وسیع کرینگے۔

انگریزی حکومت کے اصولوں کا خاکہ کھینچتے ہوئے مسٹر مالویا نے کہا

"ہماری دعا ہے کہ ہندوستان پر حکومت کرنے کے لیے انگریز وہ اصول"
"استعمال کریں جن سے ہم یہ نہ محسوس کریں کہ ہم کسی غیر ملکی حکومت کے ماتحت"
"ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری خدمتگذاریوں کا اعتراف نہیں کیا جاتا ہم کو"
"ایک نیچے درجہ کی قوم سمجھا جاتا ہے۔ اور حاکم و محکوم میں گورے اور کالے"

"سے امتیاز پیدا کیا جاتا ہے۔ اور یہ ان اصولوں کی خلاف ورزی ہے جنپر"
"سلطنت برطانیہ قائم ہوئی ہے اور حکومت قائم کرتے وقت جنکا اس نے"
"اعلان کیا تھا ہر ایک نوآبادی جو دولت برطانیہ کے ماتحت ہے اسقدر حقوق"
"کی مالک ہے جنکے ہم طالب ہیں، انگلستان اور دوسرے ملکوں نیز جن پر"
"انگلستان کا مستقل اثر ہوگیا ہے انکی آبادی کو کامل حق ہے کہ وہ حکومت کے"
"کاموں میں دخل دیں اور اپنی خواہش کے مطابق حاکم سے حکومت کرائیں"
"ہم جانتے ہیں کہ اور بہت سی یورپین اقوام نے انگلستان کے زیر سایہ رہکر"
"اس کی آزاد خیالی اور نصفت شعاری سے فائدہ اٹھایا ہے آزادی اور انصاف"
"جمہوریت اور سیلف گورننگ کے خیالات انگلستان سے نکلکر اور ملکوں میں"
"پھیلے۔ جس ملک نے انکو تسلیم کیا۔ اور جس حکومت نے انکو پیش نظر رکھا اسنے"
"ترقی کی اور تمدن وتہذیب خوشحالی وتعلیم کی حصہ دار ہوگئی اور انکے پھیلانے"
"کا ادعا دولت برطانیہ کو ہے"۔

ایک اور عظیم الشان اور اہم مسئلہ جس کے مطالعہ کرنے میں پنڈت مالوی نے اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کیا ہے وہ ہندوستان کا افلاس ہے۔ ہندوستان جو اپنی زرخیزی اور جائے وقوع کے لحاظ سے ہمیشہ سے دنیا کے بادشاہوں کے لیے رشک کا باعث بنا رہا ہے جو کسی زمانہ میں نہ صرف اپنی ضروریات بلکہ ایشیا سے لیکر یورپ تک کی ضروریات پوری کرسکتا تھا آج اسقدر محتاج ہوگیا کہ یورپ سے آمد و رفت کا سلسلہ بند ہوجائے (جیسا کہ اس جنگ عظیم میں دیکھا گیا ہے) تو اس کے پاس تن پوشی کے لیے کپڑا تک نہیں رہتا اُس کے جدا فسوسناک اور دل آزار اسباب ہیں انکے سمجھنے پر نہ صرف پنڈت مالویا نے بلکہ مصیبت زدہ ہندوستان کے ہر دردمند اور بہی خواہ نے اپنی عمریں وقف کردی ہیں لیکن اس وقت ہمارا موضوع صرف پنڈت مالوی کے

خیالات سے بحث کرتا ہے۔ جو اس مسئلہ پر نہایت قیمتی ہیں۔ ۱۸۹۳ء کی کانگریس میٹنگ میں انہوں نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہا۔

"جو لوگ ہم پر حکمرانی کرتے ہیں۔ اور جنھیں دعویٰ ہے کہ وہ ہمیں خوشحالی اور"
"ترقی یافتہ بنانے کے لیے یہاں آئے ہیں تو وہ ایک مرتبہ یہاں آئیں اور اس"
"ملک کو اپنے اس ادعائی نظر سے دیکھیں اور معلوم کریں کہ ہم کس قدر"
"خوشحال ہیں اور ہم نے کسقدر ترقی کی۔ وہ دیکھیں گے کہ فلاکت و افلاس"
"کی وبا میں ہم لوگ گرفتار ہیں! کیا یہ ترقی ہے کہ پہلے ہم لوگ اپنے ملک کا"
"بنا ہوا کپڑا پہنتے تھے؟ ہماری مصنوعات انگلستان تک جاتی تھیں اور ہم"
"میں کا ہر شخص فارغ البالی و خوش حالی سے زندگی بسر کرتا تھا؟ لیکن آج ہم ہر بات"
"میں غیر ممالک کے محتاج ہیں۔ جب ایک شخص اس مسئلہ پر غائر نگاہ ڈالتا"
"ہے تو وہ اچھی طرح محسوس کر لیتا ہے کہ یہ سب باتیں غدر تک بھی قائم تھیں"
"اور اس کے بعد ہم میں اتنی قابلیت بھی نہیں رہی کہ ہم اپنی ضروریات و حوائج"
"خود مہیا کریں۔ یہاں جسقدر اصحاب موجود ہیں وہ سب انگریزی کپڑے"
"پہنے ہوئے ہیں اور جو کچھ بھی انکے پاس ہے وہ سب باہر کا ہے۔ اب"
"لے دے کر ہمارے پاس صرف زراعت رہ گئی ہے اور نہایت ذلیل و"
"حقیر تجارتیں جن میں نہایت قلیل فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ملازمت اور تجارت"
"کے معاملہ میں ہم لوگ ۱/۱۰ حصہ فائدہ کے مستحق ہیں پس یہ کیسے ہو سکتا ہے"
"کہ ہم لوگ خوشحال رہیں اور اسپر کس طرح تعجب کیا جا سکتا ہے کہ یہ ملک"
"مفلوک و مفلس کیوں ہے۔"

اسی طرح ۱۹۰۰ء کی کانگریس میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا
"باوجود ان تمام باتوں کے جن کے باعث ہم انگریزوں کا شکریہ ادا کرنے پر"

"مجبور ہیں اور باوجود ان تمام احسانات کے جنکے بارے ہم سرگراں ہیں،"
"ایک بات نہایت افسوسناک اور شرمناک ہے۔ اور اسکی ہمیشہ ہمیں شکایت"
"رہیگی یعنی ہماری غربت و فلاکت ایسی بلا ہے جسکے باعث ہماری ترقی کی شاہراہ"
"بالکل تنگ ہوگئی ہے اور ہم کسی طرح یہ پنپنے نہیں پاتے۔ عوام کے درمیان رہکر"
"اور اپنے روزانہ کے مشاہدات دیکھکر ہم اچھی طرح معلوم کر لیتے ہیں کہ عوام"
"کی حالت بالکل ردی اور قابل رحم ہے اور موجودہ طرز حکومت بالکل اصلاح"
"طلب ہے"

"حضرات! اگر پچھلے پندرہ سال کے وہ تمام ریزولیوشن بنظر غور دیکھیں"
"جو اس مسئلہ پر کانگریس میں منظور کئے گئے تھے تو آپ اچھی طرح معلوم کر لینگے"
"کہ ہمنے کسقدر استقلال اور ادب سے حکومت کی توجہ بار بار اپنے مصیبت"
"زدہ اور قابل رحم حالت پر منعطف کرائی۔ مگر کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ ہم اس سے"
"بحث کرنا فضول سمجھتے ہیں کہ برٹش گورنمنٹ کی سلطنت سے پہلے ہماری"
"کیا حالت تھی اور نہ ہمیں یہ بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ ہندوستانی"
"تاریخ میں کبھی پہلے ہم کس حالت میں تھے؟ بلکہ غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ"
"کیا ہمیں اس حکومت کے ماتحت رہکر اور اس سول سروس کے محکوم بنکر"
"بھی اس حالت میں رہنا چاہیے جو دنیا میں سب سے قابل طعنہ مانا جاتا ہے؟"

یہ تمام خیالات اہل ملک کی نظروں میں جسقدر وسیع اور قابل عزت ہونے چاہئیں
وہ ظاہر ہے۔ کیا کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرسکتا ہے کہ ہندوستان کا سب سے
بڑا مالدار شخص امریکہ اور یورپ کے ایک معمولی سے تاجر کی حیثیت رکھتا ہے؟ یا وجودیکہ
ترقی کے جو ذرائع و وسائل ہندوستان کو نصیب ہیں خوشحالی و دولتمندی کے جن
آلات کا ہندوستان مالک ہے اور دولت کے جن پوشیدہ اور محنت طلب خزانوں پر

ہندوستان قابض ہے وہ دنیا کی تمام دولتمند اور ترقی یافتہ قوموں میں سے ایک کو
بھی نصیب نہیں۔ اگر کوئی شخص میرے اس دعوے سے انکار کرسکتا ہے تو یقیناً اس میں
یہ بھی قدرت ہے کہ وہ سورج کی روشنی اور پانی کی مائیعیت سے انکار کردے کوئلہ جو
موجودہ تمدن کے لیئے ضروری اور لازمی ہے ہندوستان میں کافی مقدار میں موجود
ہے اور یقیناً اگر کوشش کی جائے تو بندھیا چل کی گھاٹیوں اور دکن کی وادیوں میں
سے با فراط نکل سکتا ہے۔ روئی جو کپڑے کی اصل ہے اور جو تجارت میں ایک بڑا
حصہ لیتی ہے ہندوستان میں کئی لاکھ ٹن پیدا ہوتی ہے مگر ہندوستان سے اب
یہ قابلیت چھن گئی ہے کہ وہ اپنی روئی کو خود کپڑے کی صورت میں منتقل کرے اور اسے
مجبوراً غیروں کے ہاتھ نہایت ارزاں فروخت کرکے اسے بنہایت گراں خریدنا پڑتا
ہے۔ لوہا جو کوئلے کے بعد تمدن کے لوازم میں دوسرے درجہ پر ہے ہندوستان
میں بکثرت ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ بھی ہم سے چھن جاتا ہے اسکے کمانے اور ڈھالنے
کی قابلیت ہم میں نہیں رہی۔ اور ہمیں برمنگھم کو دیدینا پڑتا ہے اور وہاں سے پھر ریلوں
وغیرہ کے پہیے ڈھل کر یہاں آتے ہیں اور ہمارے ہی مال کو دوسرے کوڑیوں کے
دام لیکر اور اپنی محنت صرف کرکے اشرفیوں کے دام ہمیں دیدیتے ہیں۔ سب سے
زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے اور جس سے یہ تمام ضروریات تمدن مہیا کی جاسکتی
ہیں وہ محنت و جفاکشی ہے۔ اور اسمیں بھی اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہندوستانی
اہل یورپ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جو محنت ایک ہندوستانی دھوبی کڑکڑاتے جاڑے
میں کپڑے دھونے کے لیے صرف کرتا ہے جو محنت ایک ٹوکری ڈھونے والا مزدور
بار بار سر پر پتھروں اور مٹی کی ٹوکریاں لیکر پاڑ پر چڑھنے اور اترنے میں صرف کرتا ہے۔
اگر ایک یورپین اسکا دسواں حصہ بھی کرلے تو ہم اپنا شکوہ غربت و افلاس چھوڑنے
پر طیار ہیں۔

پس جب ہمارے پاس تمام وسائل ترقی بھی افراط سے موجود ہیں ہم جفاکشی میں بھی اہل یورپ سے زیادہ ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ترقی نہیں کرسکتے؟ اسکی جو علت حقیقی ہے وہ بہت مجمل طور پر یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ ہماری محنتیں اور ہماری دماغی قوتیں ایک غلط راستہ پر صرف ہورہی ہیں۔ ہماری جو پرانی تعلیم تھی وہ ہمیں ان تمام اشیاء کے استعمال سکھاتی تھی جو قدرت نے ہمیں ہمارے ملک میں مہیا کردی ہیں لیکن ہمیں اس تعلیم سے منحرف کرکے نئی تعلیم دی گئی۔ ہم نئی تعلیم کے مفید ہونے کا کلیتہً اعتراف کرتے ہیں۔ اور ہم کبھی اس جدید تعلیم کو ناقص نہیں ٹھیراتے جو یورپ نے اختیار کی ہے لیکن ہمیں شکایت تو اس بات کی ہے کہ ہمیں اس اصلی جوہر تعلیم کی تو ہوا بھی نہیں دیگئی جس کی بدولت آج یورپ ہمارے ملک کی پیداوار کو ضروریات تمدن کی صورت میں منتقل کرکے ہمیں دیتا ہے اور ہم خود اپنی چیزوں کو اپنے استعمال کے قابل بنانے سے عاجز ہیں۔ پرانی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ ہماری مصنوعات سے آج ترقی یافتہ یورپ حیران و متعجب ہے۔ ڈھاکہ کی چکن اور دکن کا مشروع ہندوستان کی پرانی صنعتوں کی یادگاریں ہیں۔ خصوصاً فن معماری میں ہندوستان کی جو ترقی تھی اور ہندوستان کی جو پرانی عمارتیں ابتک موجود ہیں ان کی نظیر باوجود اسقدر ترقی کے اہل یورپ نہ دے سکے۔ لیکن آج اسی ہندوستان کے باشندے اور انہیں اسلاف کے اخلاف جدید تعلیم کے ناقص طور پر مسلط ہوجانے کے باعث بالکل جاہل اور غیروں کے محتاج بنگئے ہیں اور دنیا کی اسقدر بڑی اس قدر جفاکش اور پر دماغ آبادی محض ذاتی مفاد کی بدولت جاہل ہے اور کوئی کام نہیں کرسکتی۔ کیا یہ ہمدردان علم اور بہی خواہان بنی نوع انسانی کے لیے افسوسناک اور شرمناک امر نہیں۔؟

اس مسئلہ پر مسٹر مالویا کا خیال ہے جو انہوں نے ۱۹۰۹ء کی کانگریس میں ظاہر کیا تھا۔

"بعض ہم کہتے ہیں کہ حکومت کو دیسی صنعت کو ترقی دینی چاہیئے ایک وہ وقت تھا"

"مگر اسی شہر لکھنؤ میں نہایت کثرت سے دیسی صنعت و حرفت کے کارخانے"
"موجود تھے اور ہر معمولی مزدور بھی اسقدر معقول آمدنی کا مالک تھا جس سے"
"وہ نہایت آرام اور خوشحالی سے بسر کرتا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اگر آج ہم اسی شہر"
"لکھنؤ میں آکر یہاں کے باشندوں سے کیفیت حال دریافت کرتے ہیں تو"
"معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی اور غیر ملکی کارخانوں نے ہندوستانی صنعت"
"کو بالکل برباد کر دیا ہے"

"حضرات! ہم کوئی الزام حکومت پر نہیں لگاتے بلکہ ہم تو اس سے درخواست"
"کرتے ہیں کہ وہ عام طور پر ہندوستان میں صنعت و حرفت کی تعلیم پھیلائے"
"اور ہندوستان کو اپنی ضروریات خود پوری کرنا سکھلائے تاکہ کروڑہا روپیہ"
"جو یہاں سے باہر چلا جاتا ہے وہ یہیں رہے۔ ہم یہ اچھی طرح محسوس کرتے ہیں"
"کہ اگر حکومت ہمارے تمام ان مطالبات کو پورا کر دے جو سرکاری ملازمت"
"کے متعلق ہیں تب بھی ہم وہ ترقی نہیں کر سکتے جو ہم اپنی صنعت و حرفت کے"
"جاری ہو جانے سے کر سکیں گے۔ ہمارا اگر کوئی سب سے بڑا مطالبہ ہو سکتا ہے"
"تو وہ یہی ہونا چاہیئے کہ ہمیں اپنی ضروریات خود پوری کرنے کی قابلیت"
"بخشی جائے۔ انگلستان میں جسقدر اس مسئلہ پر غور کیا جاتا ہے اور جرمنی و"
"جاپان میں جتنا وقت اس خیال کو عملی صورت میں لانیکے لیے صرف کیا"
"جاتا ہے اگر اس کا ایک عشر عشیر بھی ہندوستان کا سول سروس طبقہ"
"یہاں۔ کی رعایا کے لیے صرف کرے تو ہندوستان موجودہ حالت سے"
"بہت بہتر حالت میں پہنچ سکتا ہے"

اسی طرح موجودہ گئی گذری حالت میں بھی جو صنعت یہاں ہوتی ہے اس کی نمائش یعنی صناعوں کی حوصلہ افزائی کے پنڈت مالوی بہت مؤید ہیں چنانچہ اس کے متعلق انکی

رائے یہ ہے۔

"نمائش سے ہم یہ معلوم کرسکیں گے کہ ہمارے پاس خام اشیا کیا کیا موجود "
"ہیں کون کونسی اشیا ہم باہر بھیجتے ہیں اور ہم کس طرح اپنی تجارت کو نئی مشینوں "
"سے فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اور نئے اصول سے تجارت کو کس طرح ترقی دیجاسکتی "
"ہے۔ نمائش ہمیں بتلائے گی کہ ہل اور چکیاں وغیرہ یورپ میں کس طرح چلائی "
"جاتی ہیں اور اس سے کس قدر فوائد اور سہولتیں حاصل ہوتی ہیں اور ہندوستان "
"کے مختلف صوبوں میں کس کس قسم کے آلات استعمال ہوتے ہیں اور کون "
"کونسی کلیں رائج ہوگئی ہیں ضلع کی نمائش گاہوں کا بھی یہی مقصود ہو کر ترقی "
"یافتہ کلوں کا استعمال عوام کو بتایا جائے۔ گھر میں بیٹھکر وہ کتابوں سے انکی "
"حالت معلوم کرسکتے ہیں لیکن جب تک عملی طور پر انکا استعمال انکو نہ بتایا "
"جائیگا اسوقت تک ان کلوں کا محض علم کسی طرح مفید نہیں ہوسکتا۔ یورپ "
"اور امریکہ میں کاشتکار زمین کے لیے ہوا تک سے کھاد حاصل کرلیتے ہیں "
"مگر یہاں فضلات تک بھی مفید اور کامل طریقہ سے استعمال نہیں آتا ایک "
"باقاعدہ سائنٹیفک اگزیبیشن (علمی نمائش) کے ذریعہ یہ تمام باتیں ہندوستانیوں "
"کو سکھائی جاسکتی ہیں۔ نمائش عملی طور پر عوام کو یہ بتائے گی کہ وہ کس طرح بغیر "
"کسی سخت مشقت کے چیزیں اچھی اور کارآمد بنا سکتے ہیں۔ اور اس کے لیے "
"ضرورت ہے موجودہ مکانزم (فن آلات) کے اچھے ماہروں کی جو خود اس "
"میں کامل مہارت رکھتے ہوں۔"

اسی طرح انکے بیش بہا خیالات مزارعوں کی مشکلات اور ہندوستان کے دائمی اور عالمگیر قحط کے متعلق حسب ذیل ہیں۔

"ہندوستان کی رعایا اکثر زراعت پیشہ ہے۔ لیکن جو اس کی مشکلات ہیں انکی "

"وجہ سے یہ ملک ہمیشہ قحط زدہ رہتا ہے۔ ان تمام مشکلات میں سے ایک"
"بڑی مشکل یہ ہے جیسا کہ میرے لایق دوست سر ینددناتھ بنرجی نے بھی"
"کہا کہ بنگال جسکو مستقل بندوبست نصیب ہے وہ قحط کی مصیبت سے بہ نسبت"
"اور صوبوں کے محفوظ ہے ہر اس تعلیم یافتہ کا جس نے اس مسئلہ پر غور کیا ہے،"
"یہ خیال ہے کہ لگان کے متعلق ایک میعاد مقرر کر دینا ضروری ہے صرف ہم"
"لوگوں کا ہی یہ خیال نہیں بلکہ حکام کا ایک زبردست طبقہ بھی ہمارا اس خیال"
"میں موید ہے۔ میں یہاں ان اعلانات کو بیان نہ کرونگا جو ملکہ معظمہ کے وزیر ہند"
"نے ۶۲ سنہ و ۸۴ سنہ و ۹۴ سنہ و ۹۰ سنہ میں مستقل بندوبست کے متعلق"
"لکھا تھا۔"

حقیقتاً اگر بنظر غور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کے زمانہ میں ہندوستان کو جسقدر مالی و زراعتی نقصانات ہوئے ہیں۔ اور غلہ کی گرانی کی وجہ سے ہندوستانیوں کی مصائب جسقدر سخت ناقابل برداشت ہوگئی ہیں وہاں اسے ایک بہت بڑا فائدہ بھی ہوا ہے اور میں کہوں گا کہ جنگ یورپ ایک حیثیت سے ہندوستان کے لئے رحمت الٰہی ثابت ہوئی ہے۔ غالباً کچھ لوگ میرے اس دعوے پر ہنسینگے اور تعجب کرینگے مگر میرے پاس اس ادعا کے کافی دلائل موجود ہیں۔ اس جنگ سے پہلے ہندوستان اپنی تمام ضروریات میں جسقدر یورپ کا محتاج تھا وہ ظاہر ہے جرمنی اور انگلینڈ کی مضبوط اور خوشنما مصنوعات کے آگے کوئی شخص سودیشی مال کی قدر ہی نہ کرتا تھا ہر شخص یوروپین مال کو خریدتا اور اپنے ملک کی ترقی کی شاہراہ کو پتھر دل اور سنگین دیواروں سے مسدود کرتا تھا لیکن جنگ کے زمانہ میں اور خصوصاً آخری ۲ سالوں میں ہندوستان کو مجبوراً دیسی مال خریدنا پڑا اور کچھ تو یوروپین مال کی گرانی اور کچھ اس کی کمیابی کی وجہ سے ہندوستانی صنعت کو نسبتاً ترقی حاصل ہوئی۔ جنگ سے تھوڑے

ہی زمانہ قبل جرمن تاجروں نے ہندوستانی تجارت کو بالکل اپنی ملک کر لیا تھا خصوصاً موسیقی کے الات اور رنگ وغیرہ اشیا بالکل جرمنی سے آتے تھے اور انگلینڈ کو کوئی پوچھتا تک نہ تھا۔ اور صرف الات موسیقی و رنگ بلکہ دیگر اشیا بھی زیادہ تر جرمنی سے آتی تھیں۔ اور جب انگلینڈ کے مال تک پر جرمن مصنوعات کو ترجیح دیجاتی تھی تو ہندوستان غریب کا تو حساب ہی کیا تھا۔ یہاں ہم ان اشیا کی تعداد بتلاتے ہیں جو جنگ سے ایک سال قبل جرمنی سے ہندوستان آئیں۔

سوتی کا کپڑا .. .. ایک کروڑ تیس لاکھ مارک

رنگ وغیرہ .. .. ایک کروڑ چالیس لاکھ مارک

لوہے اور فولاد کی مستعملات .. .. .. ایک کروڑ نو لاکھ ستر ہزار مارک

ریلیں اور اس کے ہمجنس اشیا .. .. ۲ کروڑ مارک

اونی کپڑا .. .. ایک کروڑ بیس لاکھ

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ جرمن کارخانہ داروں نے جس طرح ہندوستان کو لوٹا ہے اور اس کی صنعتی و مالی ترقی کے جسم نحیف کو جسقدر مجروح کیا وہ کس قدر افسوسناک اور دل آزار ہے۔ اس کی بڑی وجہ تو وہی ہے جسے میں پہلے بیان کر چکا ہوں یعنی ہماری تعلیمی خرابی اور دوسری وجہ بھی اسی کا ایک جزو ہے یعنی ہماری تعلیمی خرابی ہمیں اصل مسئلہ پر غور نہیں کرنے دیتی اور ہم خود چمکدار اور مضبوط مال دیکھکر اپنی نان جویں کو چھوڑ دیتے ہیں اور غیروں کے پلاؤ اور زردہ کو بے غیرتی سے کھانے لگتے ہیں۔ یہ بات ہمارے لیے ہی مضر نہیں بلکہ ہماری حکومت کے لیے بھی مضر ہے اسوجہ سے کہ جس طرح برطانیہ عظمی نے اپنی تجارتی ترقی کی وجہ سے ہندوستان کو اپنے زیر نگین کر لیا اسی طرح اگر کوئی اور قوم ہندوستان کی تجارت پر حاوی ہو جائے اور اس کی مالک بنجائے تو بہت ممکن ہے کہ یہی واقعہ اس کے بھی حسب حال ہو جائے

اس سے ہندوستان کو اور برطانیہ عظمی کو جسقدر نقصان پہنچیگا وہ ظاہر ہے۔
برطانیہ عظمی سے بہتر گورنمنٹ اقوام یورپ میں سے تو ہمیں ملنی مشکل ہے اور اسی
طرح برطانیہ کو بھی ہندوستان جیسا زرخیز و وفادار ملک ملنا محال۔ پھر کیا وجہ ہے
کہ ہندوستانی صنعت کو ترقی نہیں دیجاتی اور غیر اقوام کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ
ہندوستان میں تجارت کریں۔ دراں حالیکہ برطانیہ عظمی کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ
ہندوستان پر تمام ممالک متمدنہ کی نگاہیں بہت طمع آلود پڑ رہی ہیں۔
پنڈت مدن موہن مالوی جہاں صنعت و حرفت کی اشاعت اور فن زراعت
کی تعلیم کے سرگرم حامی ہیں وہاں وہ مذہبی اور سیاسی تعلیم ... کی اشاعت کے بھی
بہت موید ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستانی اگر بہترین صناع اور موجودہ
آلات وادوات کے استعمال سے اچھی طرح واقف ہوں تو اسبات کی بھی
ضرورت ہے کہ وہ اپنے مذہب کو پہچانیں اور فن حکومت سے واقفیت حاصل
کریں۔ اسوجہ سے کہ فن حکومت ایسا فن نہیں کہ ہندوستانی اس سے ناواقف
ہیں۔ اور اپنے ملکی و وطنی حقوق سے محض اسوجہ سے محروم رکھے جائیں کہ ہم میں
اسقدر قابلیت نہیں کہ اپنے معاملات کو خود سمجھیں۔ اسی طرح ہم میں ضرورت اس
بات کی ہے کہ ہم سائنس اور علوم رائجہ سے پوری پوری واقفیت بہم پہنچائیں اور
پردۂ جہالت میں نہ رہیں چنانچہ اس موضوع پر انہوں نے ۱۹۰۲ء کی کانگریس
میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ
"وہ زمانہ گذر گیا جبکہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ اشاعت تعلیم کا فرض رعایا پر عائد"
"ہوتا ہے۔ اور اسی کو تعلیمی کام اپنے ذمہ لینا چاہیے۔ مگر اب حقیقت"
"یہ سورج کی روشنی کی طرح ظاہر و روشن ہوگئی ہے کہ کوئی حکومت"
"جب تک اپنی رعایا کو اعلی تعلیم نہ دے گی اسوقت تک وہ ہرگز کامیاب"

"نہیں ہو سکتی۔ یورپ کی تمام مہذب سلطنتیں اپنی رعایا کو خود اعلیٰ تعلیم دیتی"
"ہیں۔ حتیٰ کہ انگلینڈ نے بھی اپنے نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم دینے کا فرض محسوس"
"کر لیا ہے۔ چنانچہ سر جان گورسٹ نے صنعت و حرفت کی اشاعت کے"
"متعلق تقریر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ قوم قدرت کے پوشیدہ خزائن اور"
"زمین کی قیمتی اور کارآمد پیداوار سے مستفید ہونا چاہتی ہے اسکا فرض ہے"
"کہ وہ اپنے نوجوانوں کو سائنس کی تعلیم دے اور ان میں صنعت و حرفت"
"کی اشاعت کرے۔" اس معاملہ میں جرمنی سب سے پیش پیش ہے اور"
"اس نے اس راستہ میں انگلستان کو شکست دیدی ہے۔ اس نے اپنے"
"ملک میں ایسی درسگاہیں اور ایسے عظیم الشان محل تیار کرائے ہیں جہاں"
"سائنس کی نہایت اعلیٰ تعلیم دیجاتی ہے۔ اور نوجوانوں کے موجد اور کارآمد"
"دماغوں سے کام لیا جاتا ہے۔ یہی راستہ جاپان نے بھی اختیار کیا ہے اور اسی پر"
"اہل جاپان نے علم نباتات و معدنیات کی بڑی بڑی درسگاہیں قائم کی ہیں۔"
"اور وہاں ان علوم کے بڑے بڑے پروفیسر جرمنی سے بلائے گئے ہیں"
"تاکہ وہ انہیں ترقی کرنے کے عملی وسائل و شوارع پر قابض کرادیں۔ مگر"
"ایک ہم (اہل ہند) ہیں کہ باوجودیکہ ۳۰ کروڑ کی عظیم الشان آبادی کے"
"ہزارہا مفید اور کارآمد اشیا کے قدرتی طور پر موجود ہونے کے باوجود"
"ترقی کی تمام لوازم پر قدرت حاصل کرنیکے ہم تن پوشی اور شکم پروری"
"تک میں غیروں کے محتاج ہیں۔ یہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے اور اس بات"
"سے ہر شخص واقف ہے کہ ہمارے ملک میں خام اشیا کثرت سے موجود"
"ہیں۔ لیکن محض اعلیٰ تعلیم، اور تجارتی قابلیت کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے بالکل"
"معذور اور بیکس ہیں۔ اگر ہمیں اعلیٰ تعلیم دیجائے تو مثلاً ہمارے ملک سے"

"اس قدر کثیر تعداد میں ہڑپ نہ جائے جو ارزاق یہاں سے جاتی ہیں اور ممالک"
"غیر سے سینکڑوں اشیا بنکر آتی ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ انکے بنانے کے"
"ذرائع کیا ہیں؟ ان اسباب کے مہیا کیے بغیر میں نہیں سمجھ سکتا اور کوئسے"
"وسائل بنی نوع انسانی کے سب سے بڑے دشمن قحط کے رفع کرنے"
"کے لیے مل سکتے ہیں"

یہ خیالات معلوم کرنے کے بعد کیا کوئی اس بات پر تعجب کر سکتا ہے کہ آج سے ۲۵ سال پہلے پنڈت مالوی کے دماغ میں ہندو یونیورسٹی کا خیال آیا تھا ہندو یونیورسٹی بنی اور اس طرح بنی کہ ہمارے فلسفہ کثرت وقلت کے ماہرین دیکھتے رہ گئے اس کے مؤید اور اس کے محرک پنڈت مالوی اور انہیں جیسے اولوالعزم حضرات تھے۔ اس کے معاون انریبل منشی مادھولال جیسے ذی ہمت لوگ تھے اور محض یہی شخصیتیں تھیں جن کی بدولت ہماری ہموطن قوم ایک قومی یونیورسٹی کی مالک ہے اور اپنے ایک قدرتی حق سے متمتع ہوگئی ہے خواہ وہ تمتع کلیتہً ہو یا نہ ہو۔ تجویز نہایت وسیع پیمانہ پر کی گئی اور اس کے پہلے پرنسپل پروفیسر میکٹمولر تھے۔ یونیورسٹی کے متعلق ابتدائی عملی تجویز سنہ ۱۹۰۴ میں شروع ہوئی۔ اور بنارس کے ایک جلسہ میں پیش کی گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سودیشی تحریک نہایت زور پر تھی۔ بنگال میں ایک سخت بائیکاٹ کی صورت پیش آنے والی تھی۔ الہ آباد کا نیم سرکاری اخبار پاینیر ہندو یونیورسٹی کو بھی سودیشی تحریک کا ایک ضمیمہ سمجھے ہوئے تھا اور وہ یونیورسٹی میں ایجی ٹیشن کی آگیں بھڑکتی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے اڈیٹوریل کالموں میں یونیورسٹی کے خطرناک مسئلہ کو خوب واضح کیا اور اس کے بانیوں کو حکومت کی بیخ و بنیاد کمزور کرنے والوں میں شمار کیا۔ آخر مجبوراً مالوی جی کو اس الہ آباد کی تیز و طرار زبان کا ایک دنداں شکن جواب دینا پڑا اور انہوں نے یونیورسٹی

کی حقیقت اور اس کی ضرورت وغیرہ تمام باتوں کو وضاحت کے ساتھ پبلک میں پیش کر کے بتا دیا کہ اینگلو انڈین دماغ کس قدر لیفنز سے مشابہ ہیں۔

ہندو یونیورسٹی کی تعلیمی تجاویز کو ابتداً گورنمنٹ نے منظور کر لیا۔ لیکن ہندو مذہب کی تعلیم کے متعلق اس میں جو کچھ حصہ تھا اس پر اعتراض کیا اور کہا گیا کہ ایک عیسائی سلطنت کسی غیر مذہب کی اشاعت نہیں کر سکتی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ کسقدر دل آزار و رنجیدہ کر دینے والا جواب ہندوؤں کو دیا گیا۔ اگر کوئی عیسائی سلطنت بذات خود کسی غیر مذہب کی اشاعت نہیں کر سکتی تو کیا وہ یہ بھی اجازت نہیں دیگی کہ جو لوگ کسی مذہب کے پیرو ہیں وہ اس سے واقفیت حاصل کریں اور اپنی مذہبی تعلیم حاصل کریں؟ لیکن اس مسئلہ پر ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے اسوجہ سے کہ ہر کان معقول اور مدلل آواز نہیں سنتا۔

مسز بیسنٹ نے اس معاملہ میں ہندوؤں کی اعانت کی اور انہوں نے انگلستان تک انصاف طلب آواز کو پہنچایا۔

پنڈت مدن موہن مالوی کی زندگی کا ایک مختصر سا خاکہ کھینچکر اب ہم انکے اخلاق و خصائل سے بحث کرینگے جو ایک شخص کی لائف کا سب سے ضروری اور بہت اہم جزو ہے اگر کوئی شخص دنیا بھر کی اسناد حاصل کرے اور اپنی علمی قابلیت کا تمام عالم میں سکہ بھا دے مگر اسکا کیرکٹر بدنما داغوں سے آلودہ ہو اس کے اخلاق و عادات مذموم و غیر مقبول ہوں تو وہ ہرگز لائق انسان نہیں کہلایا جا سکتا اور نہ اسکا قول و فعل قابل تقلید و ستائش ہو سکتا ہے پنڈت مالوی جہاں بحیثیت ایک ذی علم بزرگ کے بحیثیت ایک محب وطن کے بحیثیت ایک ذی وجاہت و اقتدار شخص کے ایک ممتاز اور بلند درجہ پر ہیں اور ان لوگوں کی صف میں نظر آتے ہیں جنھیں ہندوستان کی کشتی کا ملاح کہا جا سکتا ہے وہاں ان سب باتوں کے علاوہ بھی انمیں چند ایسی باتیں ہیں جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور جن کی ایک

رہنمائے قوم اور ایک خادم ملک کے لیے بہت سخت ضرورت ہے۔

پنڈت مالوی میں ایک بہت پسندیدہ بات یہ ہے کہ موجودہ محققان راہ باطل کی طرح اپنے مذہب سے برگشتہ نہیں اور وہ اپنے کام کے اوقات میں سے ایک حصہ مذہب ارکان ادا کرنے کے لیے نکال لیتے ہیں۔ انکی مثال ان لوگوں کی مثال نہیں ہے کہ درد قوم ظاہر کرتے ہیں مذہب پر جان دیدینے اور دینی الملج پر قربان ہوجانے کی دھمکی دیتے ہیں لیکن جسوقت مذہبی عبادت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو اسکا جواب انکے پاس خاموشی کے سوا کچھ نہیں ایسے واہیات اور ذلیل کیرکٹر کے لوگ انہیں متعصب تنگ نظر اور ملکی ترقی کی راہ کو مسدود کرنیوالا شخص سمجھتے ہیں لیکن اگر مذہب کی پابندی ہی تعصب و تنگ نظری ہے اور اباؤ اجداد کے مذہب پر عقیدت رکھنا ملکی ترقی کو مسدود کرتا ہے تو خدارا مجھے بھی متعصبوں اور ملک کے بدخواہوں کی فہرست میں شمار کرو میں بھی اس جماعت میں داخل ہونا چاہتا ہوں جو مذہب کے پابند رہنے اور اپنے مذہب کی عزت قائم رکھنے کے جرم میں ملک کی بدخواہ تنگ نظر اور متعصب سمجھی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض سیاسی مسائل میں کچھ لوگ انکے مخالف ہوں اور اسی مخالفت میں انکو زیادہ غلو ہوگیا ہو۔ مگر ہمیں اس سے بحث نہیں ہمیشہ لوگوں میں ایک دوسرے کی آرار وافکار سے باہم اختلاف ہوتا ہے مگر مذہب کی پابندی اس بات کی علامت نہیں کہ کوئی شخص اگر پابند مذہب ہے تو وہ متعصب بھی ہے۔

اسی طرح انکی تقریر اور انکی آزاد خیالی بھی بہت قابل تعریف ہے۔ وہ تقریر کرتے ہیں اور نہایت جوش کے ساتھ۔ وہ اپنے ضمیر کے مطابق زبان کو حرکت دیتے ہیں اور دلیری کے ساتھ مگر چاہے وہ کیسی ہی زوردار تقریر کرتے ہوں اور چاہے کسیقدر انہیں جوش آگیا ہو مگر انکی تقریر چاہے کسی مختلف فیہ مسئلہ پر ہو مگر کوئی شخص خواہ وہ مخالف ہو یا موافق یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ شاندار نہیں۔ اسیطرح وہ اپنے خیالات کو آزادی سے

ظاہر کرنے اور اپنے ضمیر کے مطابق بولنے پر جسقدر دلیر ہیں اسکا ثبوت انکی زندگی کے بہت سے واقعات سے ہوتا ہے۔ مگر سر مائیکل اوڈوائر لفٹنٹ گورنر پنجاب سے پنڈت مالوی نے جسقدر دلیری اور آزادی سے مقابلہ کیا وہ انکی زندگی کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ سر مائیکل اوڈوائر نے وائسرائے کی کونسل میں فوجی بھرتی پر تقریر کرتے ہوئے ہوم رول طبقہ پر سخت ترین حملہ کیا یعنی انہوں نے کہا کہ میری گورنمنٹ میں ہوم رول کا خیال زیادہ نہیں ہوا اسلیے وہاں سے دولت برطانیہ کو جان و مال سے بہت زیادہ مدد دی گئی مگر دیگر صوبوں میں ہوم رولرس کی کثرت ہے اسلیے وہاں باوجود دولت اور کثرت آبادی کے بہت کم مدد دی گئی ہے۔ غرضکہ اسی قسم کے چند حملے انہوں نے اس دلیری کے ساتھ کیے جنہیں پنڈت مالوی مسٹر جناح وغیرہ صبر نہ سن سکے۔ چند غیر سرکاری ممبر بہت زیادہ مغلوب الغضب ہوگئے اور انہوں نے اپنی وہاں موجودگی کو قومی خودداری کے خلاف سمجھا اور اٹھکر چلے گئے۔ لیکن پنڈت مالوی نے اوڈوائر صاحب کی سخت مخالفت کی اور انہوں نے ایک ذی اقتدار نازک دماغ لفٹنٹ گورنر کی نہایت صاف الفاظ میں تردید کرتے ہوئے اپنے دلکو ویرمین جلال سے مرعوب و مندہش نہ ہونے دیا۔ اس دن وائسرائے کونسل میں صدر نہ تھے۔ دوسرے دن وائسرائے بہادر کونسل میں تشریف لائے اور انہوں نے اس واقعہ پر اظہار تاسف کیا۔ اور فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ جلسہ اسقدر اہم ہو جائیگا میں چند وجوہ سے شریک نہ ہو سکا۔

پنڈت مالوی نے اپنے مضامین سے تمام ہندوستان کو آگاہ کر دیا کہ کونسل میں کس طرح ہمارے جذبات و حسیات کی پروا نہیں کیجاتی اور بغیر کسی شرم و غیرت کے نہایت جسارت کیساتھ ہمپر دل آزار حملے کیے جاتے ہیں۔ ان مضامین سے تمام ہندوستان میں ایکبار آگ لگ گئی اور ہر شخص سر مائیکل اوڈوائر صاحب کی اس تقریر سے سخت نالاں

تھا۔ تیسرے اجلاس میں مالوی جی کو بلایا گیا اور چاہا کہ وہ شریک ہوں لیکن انہوں نے صاف کہدیا
کہ جبتک لفٹنٹ گورنر صاحب اپنے الفاظ واپس نہ لینگے اسوقت تک میں ہرگز کونسل میں شریک
ہونیکی ذلت گوارا نہیں کرسکتا۔ آخر مجبوراً اوڈوائر صاحب نے اپنے الفاظ واپس لیے اور اسطرح
مالوی جی کی بدولت کونسل میں ہندوستان کی عزت و حشمت قائم رہی۔

مگر پنڈت مدن موہن جہاں بہت آزاد خیال اور اظہار مافی الضمیر پر دلیر ہیں۔ ہاں وہ طلبا کو
سیاست اور ایجی ٹیشن سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ انکی رائے یہ ہے کہ طلبا سیاست سے واقف
ضرور ہوں انکے خیالات و عقائد کا نشو و نما سیاست اور مذہب کے پانی سے ہو مگر وہ اسکے موافق
نہیں کہ طلبا سیاسی معاملات میں عملی حصہ لیں۔ اس معاملہ میں ہم پنڈت مالوی کی پوری تائید کرتے
ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے طلبا اس سے ناواقف رہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمکو کیا ہونا چاہیے اور نہ ہم اسکی ضرورت
سے منکر ہیں کہ طلبہ کو اپنے زمانہ طالب علمی میں اس قابل ضرور ہونا چاہیے کہ جب وہ اپنی طالب علمانہ زندگی
ختم کریں اسی دن سے ملکی اور قومی فرائض کو انجام دیں اور اپنے ان حقوق کو حاصل کرنیکی جدوجہد
میں مشغول ہوجائیں جنسے وہ محروم کردیئے گئے ہوں۔ لیکن ہم اس خیال کو ہرگز قابل عمل نہیں
سمجھتے بلکہ ہم اسے اپنے طالب علم نوجوانوں کی زندگی خراب کرنیوالا خیال سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی مدرسہ کی
زندگی ہی میں طلب حقوق کی سعی کریں اور بغیر تعلیم کی تکمیل کے سیاسی معاملات میں حصہ لیں دراصل
یہ ملک کے واسطے نقصان دہ ہے۔ وہ لوگ ملک کو کبھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو بغیر اپنی بنیاد تعلیم کو
مستحکم کیے سیاسی معاملات میں حصہ لیتے ہیں۔ اس خیال میں سر سریندر ناتھ بنرجی ہمارے مخالف ہیں
لیکن ہم نہیں سمجھ سکتے کہ بنرجی صاحب کس بنا پر طلبا کے سیاست میں عملی حصہ لینے کے مؤید ہیں
انہیں پنڈت نے مدراس میں طلبا کو ایک بہتر نصیحت کی تھی اور انہیں اسکے نتائج سے آگاہ
کیا تھا۔ اسی طرح بنگال کے ایجی ٹیشن کے زمانہ میں انہوں نے بنگالی پرجوش نوجوانوں کو ایک
تقریر میں اپنے خیالات سے آگاہ کیا اور بہت مدلل طریق سے اپنے خیالات کو ظاہر کیا
تھا۔

ابوالاعلیٰ مودودی